فکرِ اعتزال
اور
عصر حاضر میں اس کے اثرات

حافظ طاہر اسلام عسکری ☆

زیرنظر تحریر 'الموسوعة الميسرة فى الاديان والمذاهب والاحزاب المعاصرة' (جلد اوّل) سے ماخوذ ہے۔ یہ انسائیکلوپیڈیا الندوة العالمية للشباب الاسلامى کی طرف سے شائع ہوا ہے جس کی نگرانی ندوہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر مانع بن حماد الجہنی مرحوم نے کی ہے۔ 'الموسوعة الميسرة' میں سوا سو سے زائد اسلامی اور غیر اسلامی فرقوں' گروہوں اور تحریکوں کا مختصر مگر جامع تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ مضمون جسے 'فکر اعتزال اور عصرِ حاضر میں اس کے اثرات' کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے' الموسوعة الميسرة کے مقالہ ''المعتزلة'' کی تفہیم و ترجمانی پر مشتمل ہے۔ بعض مقامات پر توضیح و تشریح کی غرض سے حواشی کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

بنیادی طور پر اس مضمون میں ایک قدیم بدعتی فرقے کا تعارف پیش کیا گیا ہے' لیکن اس کا ایک انتہائی مفید پہلو یہ ہے کہ اس میں ان افراد اور گروہوں کا تذکرہ بھی موجود ہے جو فی زمانہ انہی افکار و نظریات کے پرچارک ہیں جنہیں معتزلہ پیش کرتے تھے۔ اس سے زیرنظر مقالے کی افادیت دوچند ہو گئی ہے۔ چنانچہ جہاں اس کے مطالعے سے ایک پرانے فرقے سے متعلق معلومات میں اضافہ ہو گا وہیں موجودہ حالات میں اس فکر کے حاملین اور ان کے افکار و خیالات سے بھی آگاہی حاصل ہو گی۔ (ط۔ ل)

فرقۂ معتزلہ نے عہدِ بنی اُمیہ میں بال و پر نکالے اور عباسی خلافت کے زمانے میں عروج پایا۔ اسلامی عقیدے کے افہام و تفہیم میں اس کا انحصار محض عقل انسانی پر تھا' کیونکہ معتزلی باہر سے در آنے والے غیر اسلامی فلسفوں اور نظریوں سے متأثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اہل السنّت والجماعت کے فکر و عقیدہ سے منحرف ہو گئے تھے۔ انہیں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے' مثلاً معتزلہ' قدریہ' عدلیہ' اہل العدل والتوحید' المقتصدہ اور الوعیدیہ۔

☆ شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

۞ تأسیس اور نمایاں شخصیات

اس امر میں علماء مختلف الخیال ہیں کہ مذہب اعتزال کیونکر ظہور پذیر ہوا؟ اس بارے میں دو نظریات پائے جاتے ہیں:

● پہلا زاویۂ نظر یہ ہے کہ فکرِ اعتزال نے دینی عقائد کے مسائل میں بحث ومباحثہ کے نتیجے میں جنم لیا' جیسے یہ مسئلہ کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب پر کیا حکم لگایا جائے یا مسئلہ تقدیر میں یہ گفتگو کہ کیا انسان قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔

اس رائے کے حاملین کے مطابق 'معتزلہ' نام رکھے جانے کے درج ذیل اسباب ہو سکتے ہیں:

(۱) یہ لوگ اپنے نظریے المنزلة بين المنزلتين کی بنا پر مسلمانوں سے کنارہ کش ہو گئے تھے' جس کے معنی یہ ہیں کہ کفر واسلام میں ایک درمیانی درجہ بھی ہے۔

(۲) یہ لوگ معتزلہ کے نام سے اس وقت معروف ہوئے جب واصل بن عطا نے سیدنا حسن بصریؒ کے حلقہ درس سے علیحدگی اختیار کر لی اور منزلة بين المنزلتين کے قول کی بنا پر اپنا الگ حلقہ قائم کر لیا۔ اس پر حسن بصری نے فرمایا: اعتزلَنا واصِل ''واصل ہم سے علیحدہ ہو گیا''۔

(۳) یا اس بنا پر کہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ سے مقاطعہ اور کنارہ کشی کرنا واجب تھا۔

● دوسرا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ معتزلی اندازِ فکر سیاسی اسباب کی وجہ سے منظر عام پر آیا' کیونکہ یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں شامل تھے لیکن جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں منصبِ خلافت سے دستبردار ہو گئے تو انہوں نے سیدنا حسنؓ سے کنارہ کشی اختیار کر لی' یا یہ کہ معتزلی سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے مابین غیر جانبدارانہ پالیسی رکھتے تھے' لہٰذا دونوں گروہوں سے الگ ہو گئے۔

● یہ تو تھیں فکر اعتزال کے بارے میں اہل علم کی آراء' لیکن مؤرخِ معتزلہ قاضی عبدالجبار الہمدانی کا کہنا ہے کہ یہ نہ کوئی جدید مذہب ہے نہ کوئی نیا گروہ یا فرقہ' بلکہ اسی فکر وعقیدے کا تسلسل ہے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاربند تھے۔ ان کا یہ نام یعنی معتزلہ تو اس لیے ہے کہ یہ شر سے کنارہ کش ہو گئے ہیں' کیونکہ قرآن شریف میں ہے کہ:

﴿وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ.....﴾ (مریم:۴۸)

''اور میں تم (سب) سے اور ان (بتوں) سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو' کنارہ کش ہوتا ہوں۔''

اور فرمانِ نبویؐ ہے:

((مَنِ اعْتَزَلَ الشَّرَّ سَقَطَ فِي الْخَيْرِ))[1]

(۱) واضح رہے کہ تلاشِ بسیار کے باوجود ذخیرۂ حدیث میں اس روایت کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔

''جو شر سے علیحدہ ہو گیا' اس نے خیر حاصل کر لی۔''

● واقعہ یہ ہے کہ مکتب اعتزال کا وجود بنیادی افکار و عقائد میں ان تاریخی تغیرات کا نتیجہ تھا' جو دینی نصوص میں محض عقلی بحث و نظر کی بنا پر ظہور پذیر ہوئے۔ یہ اسلام میں ایک اجنبی اور نومولود فکر تھا جو فلسفہ یونان و ہند اور عقائدِ یہود و نصاریٰ سے تأثر پذیری کا شاخسانہ تھا' جس کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

● واصل بن عطا کے ہاتھوں معتزلی مکتبِ فکر کی تشکیل سے قبل بعض نزاعی مسائل کی بنا پر مذہبی افکار میں بحث و جدل کا آغاز ہو چکا تھا۔ یہی آراء و نظریات دراصل فرقہ معتزلہ کی اوّلین اساس و بنیاد ہیں۔ وہ افکار کیا تھے اور ان کے حاملین کون تھے' اس کا انتہائی مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے:

..... ایک نظریہ یہ تھا کہ انسان کلی طور پر آزاد اور خود مختار ہے اور اپنے افعال کا خود ہی خالق ہے۔ اسے معبد الجہنی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' جس نے عبدالرحمٰن بن الاشعث کے ساتھ مل کر عبدالملک بن مروان کے خلاف خروج کیا تھا۔ لیکن تحریکِ بغاوت ناکام ہو جانے کے بعد ۸۰ھ میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں قتل ہوا۔

..... سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں غیلان الدمشقی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا۔ اسے ہشام بن عبدالملک نے قتل کروا دیا تھا۔

..... جہم بن صفوان نے قرآن کریم کے مخلوق ہونے اور صفاتِ الٰہیہ کی نفی کا تصور پیش کیا اور ۱۲۸ھ میں بمقام مرو' سالم بن احور کے ہاتھوں قتل ہوا۔

..... صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرنے والوں میں جعد بن درہم کا نام بھی بڑا نمایاں تھا۔ اسے والیٔ کوفہ خالد بن عبداللہ القسری نے عیدالاضحیٰ کے دن ذبح کر دیا تھا۔

● بعد ازاں معتزلہ فرقہ باقاعدہ ایک مکتب خیال کے طور پر سامنے آیا۔ اس فرقے کا بانی واصل بن عطا الغزال (۸۰ھ۔۱۳۱ھ) تھا جو کہ امام حسن بصریؒ کے حلقۂ تلمذ میں شامل تھا' لیکن پھر اپنے اس موقف کی بنا پر ان سے علیحدہ ہو گیا تھا کہ کبیرہ گناہ کرنے والا انسان کفر و اسلام کے مابین ایک درمیانی درجہ میں ہوتا ہے' یعنی وہ مسلمان ہوتا ہے نہ کافر' اور اگر موت سے پہلے توبہ نہ کر سکا تو وہ دائمی جہنمی ہوگا۔ واصل نے عبدالملک بن مروان اور ہشام بن عبدالملک کا زمانہ پایا ہے اور اس کی طرف منسوب معتزلی فرقہ ''الواصلیۃ'' کے نام سے معروف ہوا۔

● معتزلہ چونکہ عقائد کے افہام و تفہیم میں عقل پر اعتماد کرتے تھے اور جزئی مسائل میں بال کی کھال اتارنے کے عادی تھے' لہٰذا وہ کئی گروہوں میں بٹ گئے تھے' اگرچہ پانچ بنیادی اصولوں پر ان کا اتفاق تھا۔ ان اصولوں کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ان میں سے ہر فرقہ چند نئی بدعتیں متعارف کراتا' جن کی بنا پر وہ دیگر گروہوں سے ممتاز و متمیز ہو جاتا۔ ان فرقوں کا نام ان سرغنوں کے ناموں پر رکھا جاتا جن سے وہ فاسد

اصول وعقائد اخذ کیے جاتے تھے۔

● عباسی خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں معتزلہ نمایاں ہو کر سامنے آئے' کیونکہ مامون نے بشر مریسی' ثمامہ بن اشرس اور احمد بن ابوداؤد کی تعلیمات سے متاثر ہو کر معتزلی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ احمد بن ابی داؤد اپنے زمانے میں مسلک اعتزال کا مرکزی رہنما اور نمایاں لیڈر تھا۔ یہ خلق قرآن کے فتنہ میں بھی پیش پیش تھا۔ المعتصم کے عہد حکومت میں اسے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) کا منصب سونپ دیا گیا تھا۔

فتنہ خلق قرآن کے سلسلہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو شدید مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت الامامؒ نے مامون کے احکامات کو ٹھکراتے ہوئے اس بدعت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا' چنانچہ آپ کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں۔ امام صاحب کو سخت سزائیں دی گئیں اور مامون کی وفات کے بعد معتصم کے دورِ اقتدار میں کوڑوں سے پیٹا گیا۔ آپؒ اڑھائی برس تک پس دیوارِ زنداں رہے۔ بعد ازاں المعتصم اور اس کے فرزند واثق باللہ کے تمام تر زمانہ حکومت میں آپ کو گھر میں نظر بند رکھا گیا۔

۲۳۲ھ میں جب المتوکل مسند خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے اہل سنت کو اس ظلم و ستم سے نجات دلائی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔ المتوکل نے حکومت پر چودہ برس سے جاری معتزلہ کے تسلط کو ختم کر کے لوگوں پر بزور و جبر اپنے عقائد و نظریات تھوپنے کی کوششوں کا خاتمہ کر دیا۔ یوں ظلم و تشدد کا دَور ختم ہوا اور لوگوں کو فکر و نظر کی آزادی مل گئی۔

● سلطنت بنی بویہ کے زمانے میں ۳۳۴ھ کے لگ بھگ سرزمین فارس میں شیعہ اور معتزلہ میں مضبوط و مستحکم تعلقات استوار ہوئے۔ یہ ایک شیعی مملکت تھی۔ اس کے زیر سایہ فکر اعتزال کی قدر و منزلت میں بہت اضافہ ہوا اور مؤید الدولۃ البویہی کے وزیر صاحب بن عباد نے ۳۶۰ھ میں قاضی عبدالجبار کو الری کا جج مقرر کر دیا' جو کہ اپنے زمانے میں اعتزالی فکر کا سرغنہ تھا۔ صاحب بن عباد' معتزلی اور رافضی عقائد کا حامل تھا۔ امام ذہبیؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

وکان شیعیا معتزلیا مبتدعا ''یہ شیعہ' معتزلی اور بدعتی تھا''۔

علامہ مقریزیؒ رقم طراز ہیں کہ:

ان مذهب الاعتزال فشا تحت ظل الدولة البويهية فى العراق وخراسان وماوراء النهر

''بویہی سلطنت کے زیر سایہ معتزلی مذہب عراق' خراسان اور ماوراء النہر کے علاقوں میں عام ہو گیا''۔

اسی زمانے میں الشریف المرتضیٰ کا نام بھی نمایاں ہو کر سامنے آیا۔ اس کے بارے میں امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

وكان من الاذكياء والاولياء المتبحرين فى الكلام والاعتزال والادب والشعر لكنه امامى جلد

''یہ انتہائی ذہین تھا۔ اسے علم کلام' اعتزال اور ادب و شعر میں تبحر اور مہارتِ تامہ حاصل تھی' لیکن

پکا شیعہ تھا۔''

● اس کے بعد ایک مستقل مکتب خیال کے طور پر فکر اعتزال کا تقریباً خاتمہ ہی ہوگیا۔ اگرچہ بعض ایسے گروہوں میں یہ موجود رہا جنہوں نے معتزلہ سے ان کے نظریات اخذ کر لیے تھے' مثلاً شیعہ وغیرہ۔

موجودہ زمانے میں اعتزالی فکر بعض دانشوروں اور قلم کاروں کے ذریعے از سرنو زندہ ہوگیا ہے۔ یہ لوگ جدید عقلی مدرسۂ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں' اس پر تفصیلی بحث آگے چل کر ''جدید فکر اعتزال'' کے زیرعنوان ہوگی۔

● واصل بن عطا کے ہاتھوں معتزلی مکتب فکر کی تأسیس سے لے کر اس کے خاتمے اور دیگر مذاہب مثلاً شیعہ' اشاعرہ اور ماتریدیہ میں تحلیل ہو جانے تک' اس فرقے کے نمایاں مفکرین درج ذیل ہیں:

☆ ابوالہذیل حمدان بن الہذیل العلاف (۱۳۵ھ۔۲۲۶ھ): یہ عبدالقیس کا آزاد کردہ غلام تھا۔ شیخ المعتزلہ تھا اور ان کی حمایت میں مناظرے کیا کرتا تھا۔ اس نے بواسطہ عثمان بن خالد الطویل' واصل بن عطا سے معتزلی مذہب اختیار کیا۔ اس نے فلسفے کی بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا اور معتزلہ کے افکار میں فلاسفہ کے نظریات کی آمیزش کر دی۔ یہ ارسطو اور انباذقلیس سے متأثر تھا۔ یہ دونوں فلاسفہ یونان سے تعلق رکھتے تھے۔ العلاف کا کہنا تھا کہ **اللّٰہ عالم بعلم وعلمه ذاته' وقادر بقدرة وقدرته ذاته** ''اللہ علم کے ساتھ عالم ہے اور اس کا علم اس کی ذات ہی ہے' اور وہ قادر ہے قدرت کے ساتھ اور اس کی ذات ہی اس کی قدرت ہے''۔ (الفرق بین الفرق للبغدادی' ص ۷۶) یعنی صفاتِ باری تعالیٰ کو عین ذات قرار دیتا تھا۔ اس سے منسوب معتزلی فرقہ الهذيلية کہلاتا تھا۔

☆ ابراہیم بن یسار بن ہانی النظام (متوفی ۲۳۱ھ): نظام درحقیقت براہمہ (ہندوؤں کی ذات برہمنی) کے دین پر تھا۔ دیگر معتزلیوں کی طرح یہ بھی یونانی فلسفے سے مرعوب ومتأثر تھا۔ اس کا نقطۂ نظر تھا کہ **المتولدات من افعال اللّٰہ تعالیٰ** ''متولدات اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ہیں''۔ اس کی طرف **النظامية** فرقہ منسوب تھا۔

☆ بشر بن المعتمر (متوفی ۲۲۶ھ): یہ معتزلہ کے علماء میں شمار ہوتا تھا۔ اسی نے تولد[۲] کا نظریہ ایجاد کیا اور اس میں خوب مبالغہ کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ:

(۲) تولد کے لغوی معنی ہیں: ''ایک شے کا دوسری سے نکل کر تیار ہونا''۔ (القاموس الوحید: ص ۱۸۹۶) بعض معتزلہ کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا متولدات میں کوئی دخل نہیں بلکہ ان میں اصل مؤثر علت ہے۔ جیسے بارش بادلوں سے برستی ہے۔ جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وتصرف کارفرما ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کارخانۂ عالم بنا کر اس سے لاتعلق ہوگیا ہے اور اب سارا نظام محض علت ومعلول کے باہمی تعلق پر چل رہا ہے۔ البتہ یہ بالکل درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اشیاء کو دیگر کے لیے مؤثر علت بنا دیا ہے۔

ان کل المتولدات من فعل الانسان فهو یصح ان یفعل الالوان والطعوم والرؤیة والروائح

''تمام متولدات انسان کا فعل ہیں' لہٰذا یہ درست ہے کہ رنگوں' ذائقوں' مرئیات اور مہکوں کا ظہور انسان سے بطور تولد ہو''۔

البشریة نامی فرقے کی نسبت اسی کی طرف تھی۔

☆معمر بن عباد السلمی (متوفی ۲۲۰ھ): یہ شخص صفاتِ الٰہیہ کی نفی اور اس امر کے انکار کی تدقیق وتحقیق میں کہ خیر وشر کی تقدیر منجانب خدا ہے' تمام اہلِ اعتزال میں نہایت نمایاں ہے۔ اس کی طرف منسوب فرقے کا نام المعمریة تھا۔

☆عیسیٰ بن صبیح المردار (متوفی ۲۲۶ھ): اس کی کنیت ابوموسیٰ اور لقب ''مردار'' تھا۔ اسے ''راہب المعتزلہ'' کہا جاتا تھا کہ زہد وعبادت میں ممتاز تھا۔ یہ تکفیر کے باب میں بہت تیز اور جلد باز تھا' حتیٰ کہ اس نے ساری اُمت پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور معتزلہ بھی اس کی کافرگری سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس کے گروہ کو ''المردارية'' کا نام دیا گیا۔

☆ثمامہ بن اشرس النمیری (متوفی ۲۱۳ھ): اس کی ذات قلتِ دین اور کردار کی بے شرمی و بے حیائی کا مجموعہ تھی۔ اس کا اعتقاد تھا کہ اگر فاسق آدمی اپنے فسق پر بغیر توبہ مرجائے تو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہے گا اور دنیا میں ایسا شخص کفر واسلام کے مابین ایک درمیانی مقام پر ہوگا' یعنی نہ مؤمن ہوگا نہ کافر۔

مامون' معتصم اور واثق کے عہد ہائے خلافت میں ثمامہ بن اشرس کو معتزلہ کے قائد اور لیڈر کی حیثیت حاصل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی نے مامون کو گمراہ کیا اور اسے عقیدۂ اعتزال اپنانے کی دعوت دی۔ اس کا فرقہ الثمامیة کہلاتا تھا۔

☆ابوعثمان الجاحظ (متوفی ۲۵۱ھ): اس کا نام عمرو بن بحر ہے۔ اسے معتزلہ کے عظیم مصنفین اور کتب فلاسفہ پر گہری نظر رکھنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی ادبی تحریروں میں فصاحت و بلاغت کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اپنی نگارشات میں معتزلی افکار وتصورات کو پرفریب انداز میں پیش کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا۔ اس نے اپنے نظریات اپنی تحریروں میں یوں سمو دیے ہیں جیسے زہر گوشت پوست میں سرایت کر جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کی کتاب ''البیان التبیین'' کے گہرے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کی جانب منسوب فرقے کو الجاحظیة کہا جاتا تھا۔

☆ابوالحسین بن ابی عمر الخیاط (متوفی ۲۵۶ھ): یہ معتزلۂ بغداد میں سے ہے۔ یہ اپنی جس بدعت کی بنا پر متفرد تھا وہ یہ تھی کہ معدوم جسم ہے اور معدوم شے اپنے وجود سے قبل بھی جسم تھی۔ یہ نظریہ دراصل عالم کے قدیم ہونے کی تصریح ہے۔ اس عقیدے میں یہ شخص تمام معتزلہ کا مخالف تھا۔ اس کے فرقے کا نام ''الخياطية'' تھا۔

☆ القاضی عبدالجبار الہمدانی (متوفی ۴۱۴ھ): اس کا شمار متأخرین معتزلہ میں ہوتا ہے۔ یہ 'الریّ' کا چیف جسٹس تھا اور اپنے زمانے میں اہل اعتزال کے شیخ و استاذ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے معتزلہ کی تاریخ لکھی اور معتزلی فکر و عقیدہ کے اصول و مبادی کو منظم و مرتب انداز میں پیش کیا ہے۔

۞ افکار و عقائدِ معتزلہ

اپنے بالکل ابتدائی دور میں معتزلہ نے بدعت پر مبنی دو نظریے پیش کیے:

● ایک یہ کہ انسان اپنے تمام افعال میں بااختیار ہے اور وہ خود ہی اپنے افعال کا خالق ہے' اسی لیے اسے مکلّف قرار دیا گیا ہے۔ اس عقیدے کے حاملین میں ایک نمایاں نام غیلان الدمشقی کا تھا۔ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہدِ خلافت میں بڑی سرگرمی سے اپنے اس نظریے کی دعوت دینا شروع کی' تا آنکہ ہشام بن عبدالملک کا دورِ حکومت آ گیا اور یہ اپنے اس بدعتی عقیدے کی پاداش میں ہشام کے ہاتھوں قتل ہو کر اپنے انجام کو پہنچا۔

● دوسرا یہ کہ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا انسان نہ مؤمن ہوتا ہے اور نہ کافر' بلکہ وہ فاسق ہوتا ہے۔ گویا وہ منزلة بين المنزلتين یعنی کفر و اسلام کے مابین ایک درمیانی درجہ میں ہوتا ہے۔ یہ تو دنیا میں ہے۔ جہاں تک آخرت کا معاملہ ہے تو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا' کیونکہ اس نے اہل جنت کے سے اعمال نہیں کیے' لہٰذا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخی ہے۔ ان کے نزدیک ایسے شخص کو مسلمان کہنے میں کوئی مانع نہیں' کیونکہ وہ ظاہری طور پر اسلام سے وابستہ ہے اور شہادتین کا اقراری ہے' لیکن اسے مؤمن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (۳)

اس کے بعد معتزلہ نے اپنے مذہب کو منضبط و منظم شکل میں پیش کیا اور اس کے پانچ بنیادی اصول قرار دیے:

(۱) توحید (۲) عدل (۳) وعد اور وعید
(۴) منزلة بين المنزلتين (۵) امر بالمعروف و نہی عن المنکر (۴)

(۳) شیعہ معتزلی ابن ابی الحدید نے 'شرح نہج البلاغۃ' میں لکھا ہے کہ ''گو ہمارا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبائر نہ مؤمن ہے نہ مسلم' لیکن ہم اس کے لیے لفظ 'مسلم' کا اطلاق جائز خیال کرتے ہیں تاکہ اہل ذمہ اور بت پرستوں سے اسے ممتاز کیا جا سکے۔ لہٰذا یہ لفظ مرتکب کبائر کے لیے ایسی احتیاط سے استعمال کیا جائے گا کہ اس سے اس کی تعظیم و ثنا اور مدح نہ سمجھی جائے''۔ (بحوالہ اسلامی مذاہب' از شیخ ابوزہرہ مصریؒ' مترجم غلام احمد حریریؒ' ص ۲۲۱' طبع سوم)

(۴) الخیاط معتزلی کے مطابق کوئی شخص اس وقت تک معتزلی نہیں کہلا سکتا جب تک ان اصولِ خمسہ کا اقرار نہ کرے۔ (الانتصار للخیاط: ص ۱۲۶)

اب ان اصولِ خمسہ کی وضاحت کی جاتی ہے:

(۱) توحید: توحید کے باب میں ان کے نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ مخلوق سے ہر قسم کی مشابہت ومماثلت سے پاک ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

''اس کی مانند کوئی شے بھی نہیں ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی بادشاہت وسلطنت میں کوئی اس کا ہمسر اور مقابل نہیں۔ اس پر وہ اصول وضوابط لاگو نہیں ہوتے جن کی مخلوق پابند ہے۔

بلاشبہ یہ عقیدہ برحق ہے' لیکن معتزلہ نے اس سے کچھ ایسے نتائج اخذ کر لیے جو قطعی طور پر باطل ہیں' مثلاً:

..... باری تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے' کیونکہ یہ نفیٔ صفات کا لازمی تقاضا ہے۔

..... ذات اور صفات میں کوئی فرق نہیں' یہ دونوں ایک ہی شے ہیں' کیونکہ اگر صفات کو بھی الگ اور مستقل حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے تو ان کی نظر میں تعددِ قدماء لازم آئے گا۔ اسی بنا پر انہیں منکرین صفاتِ الٰہیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

..... نفیٔ صفات کے اصول ہی کی بنا پر معتزلہ قرآن شریف کو مخلوق کہتے ہیں' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کو تسلیم نہیں کرتے۔

(۲) عدل: ان کے نزدیک عدل سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے افعال کا خالق نہیں اور نہ وہ فساد کو پسند فرماتا ہے' بلکہ لوگ وہ کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے اور ان امور سے باز رہتے ہیں جن سے انہیں روکا گیا ہے۔ ان افعال کی بنیاد اس طاقت وقدرت پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہے اور ان میں ودیعت کر رکھی ہے۔ خدا تعالیٰ محض اسی شے کا حکم دیتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے اور صرف اسی سے روکتا ہے جو اسے ناپسند ہے۔ وہ ہر اس اچھے کام کو پسند فرماتا ہے جس کا اس نے حکم دیا ہے اور ہر اس برائی سے بریٔ الذمہ ہے جس سے اس نے منع فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ایسی ذمہ داری نہیں ڈالتا جس کی وہ طاقت نہ رکھتے ہوں اور نہ ان سے کسی ایسے کام کی خواہش رکھتا ہے جو اُن کی قدرت سے باہر ہو۔

اس باب میں معتزلہ کی اصل غلطی یہ ہے کہ انہوں نے باری تعالیٰ کے ارادۂ کونیہ اور ارادۂ شرعیہ کو خلط ملط کر دیا اور ان میں امتیاز نہ کر سکے۔ (۵)

(۵) یہاں یہ امر واضح رہے کہ اہل سنت بھی ''عدل'' کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں عادل ہے۔ وہ اپنی مخلوق میں اپنی مشیت وحکمت علم کے مطابق تصرف فرماتا ہے اور ہر طرح کے جور وظلم سے منزہ اور پاک ہے۔ لیکن معتزلہ نے عدل کا تصور یہ پیش کیا کہ اس سے مراد وہ حکمت ہے جو تقاضائے عقل ہو۔ اس سے انہوں نے کئی غلط نتائج اخذ کر ڈالے۔ مثلاً اللہ صرف خیر ہی کا ارادہ ☜

(۳) وعد اور وعید: اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والے کو اچھا اور برائی کرنے والے کو برا بدلہ دے گا اور مرتکب کبیرہ کو معاف نہ فرمائے گا' اِلا یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ (۶)

(۴) منزلة بين المنزلتين: معتزلہ کا کہنا ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ایمان اور کفر کے مابین ایک درمیانی درجے میں ہوتا ہے' یعنی وہ مؤمن ہوتا ہے نہ کافر۔ یہ نظریہ شیخ معتزلہ واصل بن عطا نے وضع کیا تھا۔

(۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر: معتزلیوں کے مطابق امر بالمعروف ونہی عن المنکر تمام اہلِ ایمان پر واجب ہے تاکہ دعوتِ اسلامی کی نشر واشاعت کی جا سکے' گمراہوں کو راہِ راست پر لایا جا سکے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کی جا سکے۔ یہ فریضہ ہر شخص پر بقدرِ استطاعت ہی عائد ہوگا۔ پس جو زبان و بیان کی صلاحیت رکھتا ہے وہ اس کے ذریعے دین کی دعوت کا فریضہ سرانجام دے گا۔ اسی طرح عالم اپنے علم سے اور صاحبِ سیف وسنان تیر وتلوار کے ذریعے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ اپنے اس اصول کی بنا پر اُن حکمرانوں کے خلاف بغاوت کے قائل تھے جو شریعت کی مخالفت کرتے یا حق سے روگردانی کے مرتکب ٹھہرتے۔

● یہ امر بھی معتزلہ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک تھا کہ وہ اپنے عقائد ونظریات پر استدلال میں عقل پر کلی اعتماد کرتے تھے۔ اثباتِ عقائد اور حقائق اشیاء کی معرفت میں عقل پر اعتماد کرنے ہی کی بنا پر یہ لوگ اشیاء کے حسن وقبح کا دارومدار عقل کو قرار دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ:

☜ فرماتا ہے شر کا نہیں۔ حالانکہ اہل سنت نے ارادہ کونیہ اور ارادہ شرعیہ کی تقسیم سے اس مسئلے کی خوب وضاحت کر دی ہے کہ کائنات میں ہر شے خدا تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے' اس میں کفر وشر بھی شامل ہے۔ یہ ارادہ کونیہ ہے۔ اور خدا کا اپنے بندوں سے جو مطالبہ ہے' یعنی اطاعت وفرمانبرداری' وہ ارادہ شرعیہ ہے۔ لیکن معتزلی اس فرق کو نہ سمجھ سکے اور غلطی کا شکار ہو گئے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی اسی اصول سے نکالا کہ خدا بندوں کے افعال کا خالق نہیں بلکہ انسان خود ہی اپنے افعال تخلیق کرتے ہیں۔ حسن وقبح کا مدار عقل کو سمجھنا بھی اسی بنا پر ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ پر اصلح شے کا خیال رکھنا واجب ہے۔ اس ساری تگ ودو کا اصل مقصود یہ تھا کہ معتزلہ ایک اور باطل فرقے جہمیہ کی تردید کرنا چاہتے تھے' جن کا موقف یہ تھا کہ انسان تقدیر کا پابند ہے' لہٰذا معتزلہ نے اصولِ عدل سے تقدیر ہی کی نفی کر دی۔

(۶) معتزلہ اس نظریے کے حامل تھے کہ نیکی کرنے والے کو ثواب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ولازم ہے اور (اس بنا پر) ثواب عطا کرنے پر وہ مستحق مدح وثنا بھی نہیں' کیونکہ اس نے اپنا ایک فرض ادا کیا ہے' کسی پر احسان نہیں کیا۔ اسی لیے وہ آیت قرآنی ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ.....﴾ کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ تو مؤمنوں کی خوشی کی بنا پر ہوگی' ان پر لازم نہیں۔ اسی طرح معتزلہ کے نزدیک خدا تعالیٰ خطا کار کو عذاب وسزا دینے کا بھی پابند ہے' بصورتِ دیگر میعاد کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ لیکن اہل سنت کے مطابق خدا چاہے تو شرک کے سوا ہر گناہ معاف فرما دے' اور یہ اس کا احسان وکرم ہوگا۔

المعارف کلها معقولة بالفعل' واجبة بنظر العقل' وشکر المنعم واجب قبل ورود السمع ای قبل ارسال الرسل' والحسن والقبح صفتان ذاتیتان للحسن والقبیح

(الملل والنحل ازعبد الکریم الشہرستانی)

''تمام معارف عقل سے سمجھے جاسکتے ہیں' ان کا بجالانا عقل کی رو سے واجب ولازم ہے اور شریعت یا انبیاء کرام کے آنے سے قبل ہی محسن کا شکر واجب تھا۔ نیز حسن وقبح حسین اور قبیح اشیاء کے ذاتی اوصاف کی حیثیت رکھتے ہیں''۔

.....عقل پر بھروسہ کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ معتزلہ صفاتِ باری تعالیٰ کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جو اُن کی مریض عقلوں کے موافق ہوتی ہیں۔ مثلاً استواء' ید (ہاتھ)' عین (آنکھ) وغیرہ کی صفات۔ اسی طرح محبت' رضا' غضب اور سُخط (ناراضی) جیسی صفات کی بھی تاویلیں کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ معتزلہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ایک صفت بھی تسلیم نہیں کرتے' تمام صفاتِ الٰہیہ کے انکاری ہیں۔

.....عقل پر حد سے زیادہ اعتماد ہی کا شاخسانہ ہے کہ معتزلہ کے اکابر نے کبار صحابہ کرامؓ پر طعن کیا' ان کے بارے میں زبان درازی کی اور ان پر جھوٹ کی تہمت لگائی۔ واصل بن عطا کا موقف تھا کہ جنگ جمل کے دو فریقوں میں سے ایک فاسق ہے' خواہ وہ سیدنا علی بن ابی طالب' سیدنا عمار بن یاسر' سیدنا حسن' سیدنا حسین اور سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم کا گروہ ہو یا اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہما کا لشکر۔ معتزلہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہی کو ردّ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کی شہادت قابل قبول نہیں۔ (۷)

.....خود معتزلہ میں باہمی نزاع واختلاف اور متعدد فرقوں کے ظہور کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ انہوں نے اپنی عقل پر اندھا دھند اعتماد کیا' کتاب وسنت کی صحیح اور صریح نصوص سے روگردانی کی اور بلا بحث و تمحیص اتباع شریعت کی روش اپنانے سے گریز کیا۔ اس سلسلے میں ان کا اصول یہ ہے کہ:

کل مکلف مطالب بما یؤدیه الیه اجتهاده فی اصول الدین

''اصولِ دین میں ایک مکلّف کا اجتہاد اسے جس نتیجے تک پہنچاتا ہے' اس سے وہی مطلوب ہے''۔

لہٰذا معتزلہ کے مذہب کے مطابق یہ رویہ بالکل درست ہے کہ ایک شاگرد اپنے استاد سے اختلاف کر کے اپنا نیا فرقہ بنا ڈالے۔ ابھی اوپر جن فرقوں کا ذکر ہوا وہ اساتذہ اور تلامذہ کے مابین اختلافات ہی کا نتیجہ ہیں۔ ابوالہذیل العلاف کا اپنا فرقہ تھا' اس کے شاگرد نظام نے اس کی مخالفت کی اور ایک نیا فرقہ وجود میں آ گیا۔ نظام کے شاگرد جاحظ نے اپنے استاذ سے مختلف رائے اختیار کی اور یوں ایک اور فرقہ ظہور پذیر ہوا۔ اسی طرح الجبائی کا اپنا مستقل فرقہ تھا لیکن اس کے بیٹے ابوہاشم عبدالسلام کا باپ سے اختلاف ہوا

(۷) واصل بن عطا کہتا تھا کہ سیدنا علی اور سیدنا طلحہ (رضی اللہ عنہما) اگر اکیلے اکیلے گواہی دیں تو وہ مسترد ہے' البتہ کسی کے ساتھ مل کر دیں تو وہ مقبول ہے۔ (الفرق بین الفرق)

تو اس کے نام پر ایک جدید فرقے نے جنم لے لیا۔ (۸)

..... معتزلہ کے افکار و نظریات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دین کو عقلی قضیوں اور منطقی دلیلوں کے مجموعے میں ڈھال رکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ عمومی طور پر یونانی فلسفے اور بطور خاص ارسطو کی منطق صوری (formal logic) سے متأثر تھے۔

۞ فکرِ اعتزال پر اہلِ علم کی تنقید

علمائے اسلام معتزلہ کے زمانے ہی میں ان کے افکار و آراء کی تغلیط و تردید کے لیے میدان میں اترے۔ ان میں نمایاں نام امام ابوالحسن اشعریؒ کا ہے۔ اشعریؒ پہلے خود معتزلی تھے۔ بعد ازاں ان سے الگ ہو گئے اور بحث و مناظرہ میں انہی کے اسلوب و منہج پر ان کا رد کیا۔

.....اس باب میں امام اہل سنت احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ کا کردار بھی ناقابل فراموش ہے۔ آپ کو فتنہ خلق قرآن کے سلسلہ میں بے شمار مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ نے بے نظیر جرأت و شجاعت اور پامردی و استقامت سے اس فتنے کا مقابلہ کیا۔

..... شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''**درء تعارض العقل والنقل**'' میں قوی دلائل اور بہترین اسلوب میں ان کا رد کیا ہے۔ شیخ الاسلام ایک ایک کر کے ان کے عقائد و نظریات بیان کرتے ہیں اور پھر مسکت دلائل سے ان کی تردید فرماتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے واضح کیا ہے کہ عقلِ صریح کسی طور بھی نقل صحیح کی مخالفت نہیں کرتی۔

☆ اسلام میں عقل کا مقام' ایک غلط فہمی کا ازالہ

سطور بالا میں اس امر کا کئی دفعہ تذکرہ ہوا ہے کہ معتزلہ نے نصوصِ وحی کے افہام و تفہیم میں عقل پر اعتماد کیا جس کی بنا پر وہ جادۂ مستقیم سے ہٹ گئے۔ اس سے کسی کو یہ مغالطہ لاحق ہو سکتا ہے کہ شاید اسلام عقل کا مخالف اور اس پر ناروا پابندیاں لگانے کا خواہاں ہے۔

لیکن اسلامی تعلیمات سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کیونکہ اسلام لوگوں کو زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور خیر و شر کی دریافت و جستجو میں کامل توجہ سے عقل کے استعمال پر ابھارتا ہے۔

---

(۸) یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ استاذ یا شیخ سے شاگرد کا علمی اختلاف کوئی مذموم شے نہیں۔ اہل سنت میں بہت سے معاملات میں فکر و نظر کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ صاحبینؒ نے دو تہائی مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے مختلف رائے اختیار کی۔ قابل مذمت طرزِ عمل یہ ہے کہ علم و تحقیق کے اختلاف کو افتراق و انتشار کی بنیاد بنا کر نت نئے فرقے بنا لیے جائیں' جیسا کہ معتزلہ اور دیگر قدیم و جدید بدعتی گروہوں کا طریق کار ہے۔

تدبر وتفکر کے باب میں بہت سی شرعی نصوص معروف ومشہور ہیں۔ چنانچہ جناب العقاد رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے: التفکیر فریضة اسلامیة یعنی غور وفکر اور بحث ونظر اسلامی فریضہ ہے۔

☆ معتزلہ کی اصل غلطی

جب یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی کہ اسلام عقل کا دشمن نہیں بلکہ اس کے استعمال کو لازم قرار دیتا ہے اور عقلی تحقیق وجستجو کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تو اب یہ سمجھنا چاہیے کہ معتزلہ کے انحراف کی نوعیت کیا ہے؟ ان کی اصل غلطی یہ ہے کہ انہوں نے عقل وہاں استعمال کی جو اس کا محل نہ تھا۔ یعنی امورِ غیبیہ میں عقلی گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے' جبکہ یہ معاملات حواسِ مخلوق کے دائرے سے ماوراء ہیں اور ان پر عقل کی رو سے کوئی حکم لگانا یا کوئی نظریہ قائم کرنا ممکن نہیں۔ معتزلہ نے بعض معین مقدمات پر اپنے کئی نظریات کی بنیاد رکھی ہے' لیکن ان کے نتائج علی الاطلاق درست نہیں' لہٰذا یہ رویہ کسی طور قابل قبول نہیں۔ مزید برآں اگر ان اسالیب میں بھی غور وفکر کیا جائے جو معتزلہ نے اپنے استنباط اور عقلی غور وفکر میں استعمال کیے تو ان کی کجی واضح ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ لوگ صفاتِ باری تعالیٰ کی نفی کرتے تھے اور اس باب میں ان کا استدلال خدا تعالیٰ کے اس فرمان سے تھا:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔''

اب صحیح بات تو یہ ہے کہ ان صفات کی نفی نہ کی جائے جو خدا تعالیٰ نے خود اپنے لیے ثابت فرمائی ہیں اور اس آیت کا درست مفہوم بھی یہی ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ مخلوق کی صفات سے مماثلت نہیں رکھتیں۔

☆ استعمال عقل کے قواعد وضوابط

اہل علم نے جولان گاہِ عقل کی تحدید کرتے ہوئے چند اصول متعین کیے ہیں' جنہیں ملحوظ رکھنا اس باب میں ناگزیر ہے:

(۱) عقل کا نصوصِ صحیحہ سے تعارض نہ ہو۔

(۲) غیبی معاملات میں عقل استعمال نہ کی جائے کہ ان میں وحی ربانی ہی درست اور واحد قابل اعتبار مصدر ہے۔

(۳) جن امور کی حکمت واضح نہ ہو' ان میں نقل (شریعت) کو عقل پر مقدم رکھا جائے۔ یہ توقیفی امور کہلاتے ہیں۔

یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اسلام عقل کا احترام کرتا اور اسے غور وفکر کی ترغیب دلاتا ہے' لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اسے شریعت مطہرہ کی صحیح نصوص پر مقدم کرنا شروع کر دیا جائے' بطور خاص اس

صورت میں کہ عقولِ انسانی باہم متغیر ومختلف ہیں اور بے شمار عوامل سے متاثر ہوتی رہتی ہیں۔ اس بنا پر عقل انسانی یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ تمام امورِ کائنات میں صحیح اور درست فیصلہ کر سکے یا کسی ٹھوس نتیجے تک پہنچ سکے۔

☆ معرفتِ حقائق کا مصدر و ماخذ

یہ امر معلوم ومعروف ہے کہ فکر اسلامی میں حقائق اشیاء کی معرفت کا منبع و ماخذ عناصرِ ذیل پر مشتمل ہے:

(۱) حواس اور موجودات میں سے وہ امور محسوسہ جو اس کے دائرے میں آتے ہیں۔

(۲) عقل اور وہ امور جو اس تک حواس کے ذریعے پہنچتے ہیں' یعنی ایسی معلومات جو مشاہدے میں آ سکتی ہیں۔ اسی طرح (معاشرے میں پائے جانے والے) وہ عقلی معاملات (جو فرد و معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں) جن کی بنیاد ثقافت و معاشرہ پر ہوتی ہے۔

(۳) کتاب وسنت کی وحی کہ غیبی امور کے باب میں یہی واحد مصدر ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ حواس کے دائرے سے خارج امور اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تیار کر رکھا ہے' ان کا علم بھی محض وحی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ نیز سلسلہ نبوت ورسالت کی حقیقی اساس وحیٔ الٰہی ہی ہے۔

امور بالا سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شرعی نصوص کی تفہیم وتبیین میں عقل ونقل میں ہم آہنگی پیدا کرنا ضروری ہے' تنہا عقل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

☆ اساساتِ فکرِ اعتزال

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صفاتِ الٰہیہ کی نفی کے معتزلی عقیدے کے ڈانڈے یہودی فلسفے کے اصول سے جا ملتے ہیں' کیونکہ جعد بن درہم نے یہ اندازِ فکر ابان بن سمعان سے لیا تھا' جس کا ماخذ طالوت تھا اور طالوت اپنے ماموں لبید بن اعصم یہودی کا شاگرد تھا۔ گویا اس عقیدے کی بنیاد یہودی افکار ونظریات پر ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جہم بن صفوان فرقہ سمنیہ سے بحث وجدل میں مصروف رہتا تھا۔ یہ ایک ہندی فرقہ تھا جو تناسخ کے نظریے کا قائل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس فرقے سے اپنی مناظرانہ سرگرمیوں کے نتیجے میں جہم دین ومذہب میں تشکیک کا شکار ہو گیا تھا لہٰذا اس نے نفیٔ صفات کا بدعتی تصور ایجاد کیا اور اسی کی تبلیغ واشاعت کرنے لگا۔

یوحنا الدمشقی کے اقوال وافکار بھی معتزلی عقائد کا ایک اہم منبع ومصدر سمجھے جاتے ہیں' کیونکہ یہ شخص اصلح' صفاتِ ازلیہ کی نفی اور حریت ارادۂ انسانی جیسے نظریات کا قائل تھا۔

تقدیر کے انکار کا عقیدہ معتزلہ کے ہاں معبد الجہنی اور غیلان الدمشقی کے ذریعے آیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں نے یہ اعتقاد ایک عیسائی ابو یونس سنسویہ[9] سے لیا تھا۔ اور بانیٔ فکر اعتزال واصل بن عطا کے ساتھی عمرو بن عبید نے نفیٔ قدر کا تصور معبد الجہنی سے اخذ کیا تھا۔ (الفرق بین الفرق: ص۱۵)

ذات وصفات کے باب میں معتزلہ فلاسفۂ یونان سے بھی متاثر تھے۔ اس سلسلے میں ایک یونانی فلسفی انبادقلیس کا قول ہے کہ:

''خدا تعالیٰ ہمیشہ ہی سے محبوب و مطلوب ہے۔ وہ علم محض اور ارادۂ محض ہے۔ وہی سخاوت وعزت ہے اور وہی قدرت و عدل' خیر اور حق ہے' لیکن کوئی ایسی طاقتیں نہ تھیں جنہیں یہ نام دیے جاتے' بلکہ یہی نام وہ (خدا) ہیں اور وہ (خدا) یہی نام ہیں''۔ (الملل والنحل' ج۲' ص ۵۸)

اسی طرح ارسطو نے اپنی بعض کتابوں میں کہا ہے کہ:

''ان الباری علم کله' قدرۃ کله' حیاۃ کله' بصر کله

''خدا تعالیٰ سارے کا سارا علم ہے' تمام کا تمام قدرت ہے' سراسر زندگی ہے' پورے کا پورا بصارت ہے''۔

معتزلی شیخ علاف نے ان فلاسفہ کے یہی افکار اپنا لیے۔ اس کا کہنا تھا کہ:

ان اللہ عالم بعلم وعلمه ذاته قادر بقدرۃ وقدرته ذاته' حی بحیاۃ وحیاته ذاته

''اللہ تعالیٰ عالم ہے علم کے ساتھ' اور اس کی ذات ہی اس کا علم ہے۔ وہ قدرت کے ساتھ قادر ہے اور اس کی ذات ہی اس کی قدرت ہے۔ وہ زندہ ہے زندگی کے ساتھ اور اس کی ذات ہی اس کی زندگی ہے''۔

نظام معتزلی نے ''جزء لا یتجزی'' کے ابطال کا اپنا قول ملحد فلسفیوں سے لیا (یعنی کوئی جز ایسا نہیں ہے جس کا جزو نہ ہو سکے) اور پھر اس پر اپنے تصور ''طُفرہ'' (اچھلنا' کودنا) کی بنیاد رکھی۔ اس کے نظریے کے مطابق یہ ممکن ہے کہ ایک جسم مقام ''الف'' سے مقامِ ''ج'' تک پہنچ جائے بغیر اس کے کہ اسے مقام ''ب'' سے گزرنا پڑے۔ یہ انتہائی عجیب بات ہے' بلکہ کہا گیا ہے کہ:

ان من عجائب الدنیا :طفرۃ النظام و کسب الاشعری

''نظام کا تصور طفرہ اور علامہ اشعری کا نظریۂ کسب دنیا کے عجائب میں سے ہیں''۔

احمد بن ضابط اور فضل الحدثی نظام کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے کتب فلاسفہ کا مطالعہ کیا اور فلسفیانہ افکار کو عیسائی اور ہندی تصورات میں ملا جلا کر ایک ملغوبہ تیار کیا۔ یہ دونوں درج ذیل نظریات کے حامل تھے:

(۱) سیدنا مسیح علیہ السلام ہی آخرت میں مخلوق کا محاسبہ کریں گے۔

(۲) حضرت مسیح علیہ السلام نے جسم و بدن کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور آپؑ ہی کلمہ قدیمہ تھے جو جسم اور ڈھانچے کی

---

(۹) ابو یونس عراقی تھا۔ اس نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا لیکن پھر دوبارہ عیسائی ہو گیا تھا۔

صورت میں ظہور پذیر ہوا تھا۔

(۳) تناسخ یعنی آواگون کا عقیدہ برحق ہے۔

(۴) رؤیت باری تعالیٰ کے سلسلہ میں وارد احادیث کو یہ عقل اول کی رؤیت پر محمول کرتے تھے۔ ان کے بقول عقل اول ہی اولین ایجاد کنندہ ہے۔ یہی عقل فعال ہے جس سے جملہ موجوداتِ عالم کو اشکال اور صورتیں عطا ہوتی ہیں۔

● علماء اسلام کی نگاہ میں یہ امر یقینی ہے کہ فکر اعتزال پر یونانی فلسفے کا گہرا اثر ہے۔ اس سلسلے میں جاحظ کی مساعی نمایاں حیثیت کی حامل ہیں۔ یہ شخص معتزلہ کے اربابِ قلم اور اصحاب علم و ہنر میں ممتاز مقام رکھتا تھا۔ اس نے فلاسفہ کی بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا اور انہی کا مسلک و مذہب اختیار کر لیا۔ اس نے ان کے بہت سے نظریات اپنی ادبی تحریروں اور بلیغانہ اسلوب میں سمو کر لوگوں میں رائج کر دیے۔

بعض اہل علم کی رائے میں فکر اعتزال نے ان عقائد و نظریات سے جنم لیا ہے جو سرزمین عراق میں پائے جاتے تھے' کیونکہ معتزلی فرقے نے یہیں بال و پر نکالے تھے۔ عراق بہت سے فرقوں کی آماجگاہ تھا اور ان کی جڑیں مختلف گروہوں سے جا ملتی تھیں۔ چنانچہ بعض کے ڈانڈے کلدان سے' بعض کے فارس' بعض کے یہود و نصاریٰ سے اور بعض کے مجوس سے جا ملتے تھے۔ یہ لوگ جب مشرف باسلام ہوئے تو ان میں بعض لوگوں نے اسلام کو اپنی پرانی معلومات اور اپنے قدیم دینی و ثقافتی پس منظر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں کئی بدعات نے جنم لیا' نئے نئے عقائد و نظریات گھڑ لیے گئے اور جدید فرقے بنتے چلے گئے۔

۞ جدید فکرِ اعتزال

مرورِ زمانہ سے معتزلہ کے عقائد و نظریات امر واقعہ میں محض کتابوں کے اَوراق میں دفن ہو کر رہ گئے ہیں' لیکن عصر حاضر کے بعض قلم کار اور دانشور از سر نو معتزلی فکر کا احیاء چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے نئے لبادے میں پیش کرنے کی سعی کی ہے اور اسے نئے ناموں سے موسوم کیا ہے۔ مثلاً معقولیت پسندی' روشن خیالی' تجدید و اجتہاد' آزادیٔ فکر' تشکیل جدید' مقتضیاتِ زمانہ' روشن خیال مذہبی تصور' اسلامی اعتدال پسندی' عصری تقاضے وغیرہ۔ ان خوشنما عنوانات اور لیبلز کی آڑ میں یہ لوگ دراصل اعتزالی طرزِ فکر و عمل ہی کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔

تعقل پسندی اور مادیت پرستی پر مبنی فکر مغرب سے مرعوبیت نے اس رجحان کو زیادہ قوی اور مضبوط کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ نام نہاد عقل انسانی کے مطابق اسلامی شریعت کی تشریح و توضیح کرنے کی کوشش کرتے ہیں' جس کے نتیجے میں انہیں نصوص کی تاویل کرنا پڑتی ہے' جیسا کہ اس سے قبل معتزلہ نے کی۔ اس

مقصد کے لیے یہ مصادرِ فکر اسلامی سے بڑی باریک بینی سے ایسے ''دلائل'' تلاش کرتے ہیں جن سے ان کے افکار وتصورات کی تائید وتوثیق ہو سکے!! اب قرآن وسنت اور سلف صالحین کے لٹریچر میں تو ان کو اپنا مفید مطلب مواد ملنے سے رہا۔ البتہ معتزلہ کی آراء وافکار اور طرزِ فکر ونظر سے ان کی مطلب برآری ہوتی ہے لہٰذا یہ انہیں اپنا منبع وماخذ بناتے اور اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہیں۔ انہی کی پیروی میں ان جدت پسندوں نے مادی معجزات کا انکار کیا ہے۔ تفسیر سورۂ فیل میں مرحوم شیخ محمد عبدہ مصری کا یہ موقف بھی اسی قبیل سے ہے کہ اصحابِ فیل کی ہلاکت پرندوں کی سنگ باری کے بجائے مرضِ خسرہ یا چیچک کی وبا سے ہوئی!!

● فکر اعتزال سے متاثر جدید مفکروں کی نگاہ میں معتزلہ کا یہ بنیادی اصول انتہائی اہم ہے کہ عقل ہی حقیقت تک رسائی کا واحد ذریعہ ہے خواہ وہ حقیقت حواس کے دائرے سے باہر ہی کیوں نہ ہو۔ گویا انہوں نے ہر عقیدے اور فکر کو عقلِ کوتاہ کے تابع کر دیا ہے۔

اس معتزلی فکر کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس کے حاملین' کتاب وسنت کی محکم نصوص سے ثابت شدہ احکام میں بھی تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ مثلاً مرتد کی سزا' فرضیت جہاد' حدود وقوانین وغیرہ۔ ان کا مطالبہ ہے کہ ان سب پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے ان میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ترامیم کی جائیں۔ جب ان دوٹوک' صریح اور بالکل واضح اصولی معاملات میں ان لوگوں کی رائے یہ ہے تو پھر حجاب' تعددِ ازدواج اور طلاق ووراثت جیسے مسائل بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان کو تو یہ درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے' بلکہ علاقائی رسم ورواج اور مقامی ثقافت قرار دے کر سرے سے دائرۂ شریعت ہی سے خارج کر دیتے ہیں۔

☆ جدید معتزلی مفکرین اور دانشور

جدید فکر اعتزال کے داعیوں میں ایک نمایاں نام سعد زغلول کا ہے' جس نے مصری عورت سے حجاب اتارنے کا مطالبہ کیا۔ قاسم امین بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی دو کتابیں ''تحریر المرأة'' (آزادیٔ نسواں) اور ''المرأة الجديدة'' (خاتونِ جدید) بہت مشہور ہیں۔ اسی طرح لطفی السید [جنہیں استاذ الجیل (ایک نسل کا استاد) کا لقب دیا گیا] اور طٰہٰ حسین بھی اس حوالے سے کافی معروف ہیں۔ ان کو ''عميد الأدب العربي'' (ادب عربی کی سربرآوردہ شخصیت) کا خطاب دیا گیا ہے۔ یہ تمام لوگ اگلی دنیا کو سدھار چکے ہیں۔ ان سب کا تعلق عرب دنیا سے تھا۔

● برصغیر پاک وہند میں منہج اعتزال کے اوّلین سرخیل سید احمد خاں تھے جنہیں برطانوی سامراج کی جانب سے ''سر'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ سرسید کی رائے تھی کہ صرف اور صرف قرآن کریم ہی شریعت اسلامی کی اساس ہے' یعنی وہ سنت نبویؐ کی تشریعی حیثیت کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ وہ تجارتی معاملات میں معمولی سود کو جائز قرار دیتے تھے۔ سرسید رجم اور حرابہ کی شرعی سزا کے بھی منکر تھے۔ وہ دین کی نشر واشاعت کے لیے جہاد وقتال کے قائل نہ تھے بلکہ اسے ممنوع سمجھتے تھے۔ یہ دراصل انگریز کو خوش کرنے کی

ایک کوشش تھی' کیونکہ مسلمانانِ ہند کے جہاد سے برطانوی استعمار کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔
سرسید کے شاگرد سید امیر علی بھی یہی نظریات رکھتے تھے۔ انہوں نے مسلمان خاتون کی عیسائی یا یہودی مرد سے شادی کو جائز قرار دے دیا تھا' نیز وہ اختلاطِ مرد وزن کے بھی قائل تھے۔ (۱۰)

☆ سیکولر مفکرین

وہ سیکولر اور بے دین قسم کے مفکر اور دانشور بھی اسی زمرے میں آتے ہیں جن کا اسلام سے برائے نام ہی تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً ان میں ایک اہم شخصیت زکی نجیب محمود کی ہے۔ ان صاحب نے ''**الوضعیة المنطقیة**'' کا نظریہ پیش کیا جو کہ جدید فلسفہ وضعیہ (۱۱) ہی کی ایک شاخ ہے۔ اس کے ماننے والے ہر غیبی معاملے کا انکار کرتے ہیں۔ زکی نجیب کے مطابق اعتزالی فکر وفلسفہ ہمارے ورثے کا ایک حصہ ہے جسے زندہ کرنا ہم پر لازم ہے اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ موجودہ زمانے میں درپیش مسائل ومشکلات کے مقابلے میں معتزلہ جیسے کردار اور رویے کا مظاہرہ کریں۔ (تجدید الفکر العربی' ص ۱۲۳)

انہی میں احمد امین بھی شامل ہیں۔ یہ '**فجر الاسلام**' '**ضحی الاسلام**' اور '**ظهر الاسلام**' جیسی تاریخی وادبی کتابوں کے مؤلف ہیں۔ احمد امین قدیم زمانے میں معتزلہ کے مٹ جانے کا ماتم کرتے ہیں۔ گویا ان کا باقی رہنا اسلام کے لیے انتہائی مفید اور ضروری تھا!! اپنی کتاب ''**ضحی الاسلام**'' میں لکھتے ہیں:

فی رأی ان من اکبر مصائب المسلمین موت المعتزلة (ج ۳' ص ۲۰۷)
''میری رائے میں معتزلہ کی موت مسلمانوں کی سب سے بڑی مصیبت وبدنصیبی ہے''۔

---

(۱۰) یہ مضمون چونکہ ایک عربی تحریر سے ماخوذ ہے اس لیے اس میں زیادہ تر خطۂ عرب ہی کے منحرفین کا تذکرہ کیا گیا ہے اور برصغیر سے صرف دو افراد کا ذکر ہوا ہے۔ لیکن یہاں ایسے افراد اور اداروں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے جو سرکاری اور نجی سطح پر اعتزالی فکر کے علمبردار ہیں۔ اب تو کئی نئے افلاطونی بھی ابھر کر سامنے آ رہے ہیں۔ بعض لوگ قرآنی معارف کے نام پر ''اسلام کو طلوع'' کرا رہے ہیں تو کچھ ادارے اسلام کی ''نظریاتی'' اور ''ثقافتی'' اساس کے حوالے سے اپنے من پسند افکار ونظریات عوام میں پھیلا رہے ہیں۔ کچھ ''اربابِ دانش'' ایسے بھی ہیں جو ''نشأۃِ ثانیہ'' اور ''علم وتحقیق'' کے بلند بانگ نعروں کے ساتھ تہذیب مغرب کی ترویج وتائید میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس کے لیے وہ قدیم دینی ادب سے شاذ اور متروک اقوال بھی بطورِ سند ڈھونڈ لاتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ معتزلہ قدیم ہوں یا جدید اور عرب سے تعلق رکھتے ہوں یا عجم سے' ان کے مقاصد اور حربے یکساں ہیں۔ گویا ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ کا بیّن مصداق ہیں۔

(۱۱) القاموس الوحید کے مطابق ''الوضعیۃ'' سے مراد ہے: ''فرانسیسی مفکر اِگسٹ کومٹ کا ایک فلسفیانہ نظریہ جو علم کا مدار تجربات وواقعات کو قرار دیتا ہے''۔ (ملاحظہ ہو' ص ۱۸۶۵)

☆عصر حاضر میں فکر اعتزال کے علمبردار

معاصرین میں جو لوگ دعوت اسلامی کے قافلے میں شامل ہیں ان میں بھی ایسے افراد موجود ہیں جو معتزلہ کے عقلی طریق پر عقیدہ و شریعت کی تشکیل نو کا نظریہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد فتح عثمان نے اپنی کتاب ''الفکر الاسلامی والتطور'' (فکر اسلامی اور تشکیل جدید) میں یہی فکر پیش کی ہے۔ (۱۲)

ڈاکٹر حسن الترابی بھی اسی زاویۂ نگاہ کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اصولِ فقہ کی تجدید کے متمنی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ہمارے موجودہ زمانے میں احکام اسلام کے نفاذ کے لیے بڑے پیمانے پر عقلی اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں عقل کے کردار سے کسی صاحب خرد کو انکار نہیں ہوسکتا۔ آج ہمیں جس اجتہاد کی احتیاج ہے وہ صرف فروع ہی میں نہیں بلکہ اصول میں بھی ہوگا''۔ (دیکھئے کتاب المعتزلة بین القدیم والحدیث از محمد العبدة اور طارق عبدالحلیم' ص ۱۳۸)

علاوہ ازیں عصر حاضر کے بہت سے اہل قلم اور مسلم دانشور اسی روش پر گامزن ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اجتہاد' اسلامی تصورات کی تشکیل نو اور احکامِ شرعیہ کی اصلاح و سدھار میں عقل کا بہت بڑا کردار ہے' حتیٰ کہ تاریخی واقعات میں بھی عقل دخیل ہے!!

ان لوگوں میں فہمی ہویدی' محمد عمارۃ (اس کا معتزلی ورثے کے احیاء اور اس کے دفاع میں بہت نمایاں رول ہے)' خالد محمد خالد اور محمد سلیم العوا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

کارِ تجدید و اجتہاد میں درست رویہ

بلاشبہ اجتہاد و تجدید وقت کی اہم ضرورت اور فکر اسلامی میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور شریعت کی تفہیم و تبین میں عقل کا استعمال بھی اپنی جگہ ضروری ہے۔ لیکن یہ عملِ اجتہاد و تجدید اور استعمالِ عقل و دانش' شریعت کی ثابت شدہ نصوص کے دائرے میں ہونا چاہیے۔ نیز اس کارِ اجتہاد میں اُمت کے ذاتی اسباب اور داخلی محرکات کو بنیاد بنانا ہوگا' ایسا نہ ہو کہ غیروں کے دباؤ یا خارجی عوامل کے مدنظر نصوصِ شریعت ہی میں تغیر و تبدل شروع کر دیا جائے۔ یہ اجتہاد کی بجائے الحاد اور تنسیخ شریعت کی ناپاک جسارت کے مترادف ہوگا۔ مزید برآں اگر ایک مرتبہ طاغوتی طاقتوں کے مطالبات تسلیم کر لیے جائیں تو پھر ان کا سلسلہ کبھی ختم

(۱۲) عجیب ''حسنِ اتفاق'' ہے کہ پاک و ہند میں بھی ایک کتاب ''فکر اسلامی کی تشکیل جدید'' کے عنوان سے شائع ہوئی جو انڈیا میں ہونے والے ایک سیمینار میں پیش کیے گئے خطبات و مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعض مضامین اگرچہ مثبت فکر پر مبنی ہیں لیکن بیشتر مقالات میں یہی تصور پیش کیا گیا ہے کہ روحِ عصر کو مدنظر رکھتے ہوئے اجتہاد کے ذریعے اسلامی احکام میں مناسب تبدیلیاں کی جانی چاہئیں!! (یہ سیمینار دسمبر ۱۹۷۶ء میں ہوا تھا اور پاکستان میں اس کتاب کو مکتبہ رحمانیہ' لاہور نے شائع کیا ہے۔)

نہیں ہوتا' بلکہ ہردم هَلْ مِنْ مَزِیْدٍ کی صدا آتی ہے۔ اسلام کا مطالبہ تو یہ ہے کہ تمام شعبہ ہائے زندگی کو خدا کے قانون کے مطابق ڈھالا جائے اور زمانے کے جملہ مسائل کا حل صرف اور صرف شرعی نصوص ہی سے تلاش کیا جائے۔ اس کے برعکس اگر مسلمان زندگی میں پیش آمدہ جدید مسائل اور خارجی عوامل کے زیر اثر اجتہاد کا نعرہ لگاتے ہوئے اسلام ہی کی اصلاح وترمیم کے درپے ہو جاتے ہیں' جیسا کہ بعض لوگوں کا طریق کار ہے' تو اس کے نتیجے میں اسلام کا محض نام ہی باقی رہ جائے گا اور شریعت کتابوں کے حروف والفاظ میں سمٹ کر رہ جائے گی اور اس کا بھی وہی انجام ہوگا جو پہلی شریعتوں کا ہوا کہ ان کے ماننے والوں نے ذاتی خواہشات کی بنا پر ان میں تحریف کر ڈالی حتیٰ کہ ان کا اپنے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق باقی نہ رہا۔ (۱۳)

☆ خلاصۂ بحث

سابقہ سطور سے واضح ہوتا ہے کہ معتزلہ کی تحریک بعض مسلمان مفکرین کے ان فلسفوں سے تال میل

(۱۳) بعض لوگ تجدید کے نام پر شریعت میں تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ لیکن وہ تجدید اور تجدد میں فرق سے ناآشنا ہیں۔ اقتباسِ ذیل سے اس فرق کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے:

''زمانے کے تغیرات پر دو قسم کے ردعمل اسلامی تاریخ میں نظر آتے ہیں۔ ایک کا نام ''تجدید'' ہے اور دوسرے کا ''تجدد''۔ ''تجدید'' یہ ہے کہ زمانے کے تغیرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اصل دین کو بلا کم وکاست پیش کیا جائے اور اپنے دور اور اپنے زمانے کی زبان میں محکم استدلال کے ساتھ پیش کیا جائے۔ نیز تدبر واجتہاد کے ذریعے سے دین کو اپنے دور کے حالات پر نافذ کرنے کی عملی جدوجہد کی جائے۔ ان تمام ذرائع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے جو قدرت نے انسان کو فراہم کیے ہیں اور اسلامی بصیرت کے ساتھ نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں طے کیا جائے۔ تجدید کے ذریعے سے ہر زمانے میں دین کی تعلیمات اور زندگی کے بہاؤ کے درمیان تعلق اور رابطہ گہرا ہوتا جاتا ہے اور زندگی کا دریا اسلام کی شاہراہ سے ہٹ کر چلنے نہیں پاتا۔ یہاں مخلصانہ اجتہاد کے ذریعے سے نئے مسائل اور نئی مشکلات کو حل کیا جاتا ہے اور دین اپنے رنگ پر قائم رہتا ہے۔

''تجدد'' اس کے مقابلے میں وہ کوشش ہے جو زمانے کے تقاضوں کے نام پر خود دین کو بدل ڈالنے کے لیے کی جاتی ہے۔ زندگی اور زمانے کے درمیان ربط اس طریقے سے بھی قائم ہو جاتا ہے لیکن یہ ربط اسلام کی سرزمین پر نہیں غیر اسلام کی سرزمین پر قائم ہوتا ہے۔ اس میں اسلام کو اصل قرار دے کر حالات کو اس کے مطابق ڈھالنے کے بجائے زمانے کی چلتی ہوئی تہذیب کو اصل مان کر اس کے پیدا کیے ہوئے حالات پر اسلام کو ڈھال دیا جاتا ہے۔ اس طریق کار کو اگر مسلمان ہر زمانے میں اختیار کرتے چلے جائیں تو اسلام کی کوئی چیز بھی اپنی جگہ پر باقی نہیں رہ سکتی' بلکہ اسلام سرے سے کسی متعین مذہب ومسلک اور نظریے ونظام کا نام ہی نہیں رہتا۔

اسلام میں تجدید کے دروازے ہمیشہ کھلے رہے ہیں اور پوری تاریخ میں اسلام کے سچے خادم یہ کارنامہ انجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں' لیکن تجدد کی اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ ماضی میں جب بھی تجدد نے سر اٹھایا ہے مسلمانوں نے سختی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا ہے اور ہر ایسی تخریبی کوشش ملت کی رائے عامہ سے ٹکرا کر آخر کار ختم ہوگئی ہے''۔ (اسلامی نظریہ حیات' ص ۱۱۷' مؤلف: پروفیسر خورشید احمد)

اور تاثر پذیری کا نتیجہ تھی جو اسلامی خلافت کے زمانے میں غالب تھے اور مسلمانوں سے ملحقہ قریبی خطوں اور معاشروں میں چھائے ہوئے تھے۔ گویا یہ ایک قسم کا ردعمل تھا' جس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے عقائد و افکار کو انہی فلسفوں کے اسلوب میں ڈھال کر پیش کیا جائے تاکہ دیگر تہذیبوں اور مذہبوں کے ملحدوں کے اعتراضات واشکالات کے جواب میں اسلام کا دفاع ایسے طریقے سے کیا جائے جسے وہ سمجھ سکیں۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دفاع کرنے والے خود پھسل گئے اور اسلامی تعلیمات کی مخالفت میں بہت سی غلطیوں کا ارتکاب کر بیٹھے۔ جیسا کہ معتزلہ نے باری تعالیٰ کو مخلوق کی مشابہت سے پاک قرار دیتے ہوئے سرے سے صفات ہی کا انکار کر دیا۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات بھی آشکار ہو کر سامنے آتی ہے کہ معتزلہ کے جدید پیروکار بھی اسی روش پر گامزن ہیں جس پر ان کے اسلاف چلتے رہے اور یہ بھی انہی جیسی غلطیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان کے پیش کردہ افکار و نظریات اور اجتہادات کا اصل ہدف یہ ہے کہ تہذیب مغرب کے علمبرداروں کے سامنے اسلام کو ایسی شکل میں پیش کیا جائے جو اُن کے لیے قابل قبول ہو۔ یہ اپنے تئیں اسلامی نظام کا دفاع کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اسلامی تہذیب و تمدن کے نتائج تہذیب مغرب سے بہتر نہیں تو کم بھی نہیں!!(۱۴)

درست رویہ یہ ہے کہ بعد میں آنے والے اپنے پیشروؤں کی لغزشوں سے سبق سیکھیں اور ان سے بچنے کی کوشش کریں۔ انہیں یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ دیگر ادیان و مذاہب پر اسلام کا غلبہ و عزت اس کے ممتاز نظام اور منفرد قانون و شریعت کی بنا پر ہے' لہٰذا اس میں غیروں کے نظریات اور فلسفوں کی پیوند کاری کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ یہ طرزِ فکر و عمل درحقیقت مرعوبانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے جس کی بنیاد غلط نگہی اور کوتاہ فکری ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کتاب و سنت پر مبنی شریعت اپنی جامعیت و اکملیت کی بنا پر ایک معیار اور کسوٹی کی حیثیت رکھتی ہے جس پر دیگر نظریات اور فلسفے پرکھے جاتے ہیں اور اس کا صحیح فہم سلف صالحین کے نہج پر چلنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ oo

(۱۴) یہ محض کوتاہ نظری اور عقل کی کجی کا شاخسانہ ہے' ورنہ دونوں تہذیبوں کی ساخت پرداخت اور نتائج و ثمرات میں زمین آسمان کا فرق ہے' جیسا کہ کسی بھی صاحب خرد سے مخفی نہیں۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کے مکمل دورۂ ترجمہ قرآن اور دروس و خطابات کے علاوہ تلاوتِ قرآن' کتب احادیث کے تراجم' حکمت قرآن' میثاق اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے' اردو و انگریزی کتب' کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے!